معاشرتی تربیت کے رہنما اصول اور اسوہ نبوی ﷺ: ایک اطلاقی مطالعہ

The principles of social upbringing and the exemplary conduct of the Prophet Muhammad (PBUH): An applied study

Dr Saeed Ahmad Saeedi
Associate Professor, Institute of Islamic Studies,University of the Punjab, Lahore:
saeed.is@pu.edu.pk

Hafiz Ghulam Yasin
Reseach Associate, Al Idrak Research Journal, Lahore:
ghulamyasin44@gmail.com

Abstract:
This study delves into the principles of social upbringing and the exemplary conduct of the Prophet Muhammad (PBUH), offering an applied perspective. It explores the teachings and practices of the Prophet Muhammad (PBUH) as a guide for social behavior and upbringing. Through an analysis of his life and teachings, this study aims to extract valuable insights and lessons that can be applied in contemporary society. The research emphasizes the relevance and applicability of the Prophet's (PBUH) guidance in shaping ethical conduct, fostering harmonious relationships, and promoting positive social values.It briefs the significance of moral values and their implementation,as it helps us to live a life of righteousness and virtue. It helps to understand the comparison of hardships, which faced our beloved Holy Propht(PBUH) and now what we are Facing the troubles of life. It will provide a cleared way to all the mankind, to exit these troubles of life through implementation of the providing principles by the Holy Prophet.He (PBUH) was a paragon of virtue and best exemplar for the human race.He was known for his compassion and mercy to the mankind, so he set up a society where fair, honesty, humbleness, generousity and patience were practiced. He accorded respect to children and greeted them first, he was present in funeral ceremonies,visited the sick and he helped the needy.

Keywords: *Social Values, Moral Values Honesty, Behavior.*

مثالی انسانی معاشرے کو کون سی اقدار پر استوار ہونا چاہئے، جن کی بناء پر ایک معیاری فلاحی سماج تشکیل پاسکے؟ عرصہ دراز سے یہ سوال ماہرین سماجیات و عمرانیات کے لیے وجہ تدبر و تفکر بنا رہا ہے اور اس حوالے سے مختلف آراء آتی رہی ہیں اور آرہی ہیں، لیکن قرآن و سنت کے گہرے مطالعے سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ دین کا اصل مقصد ہی انسانی فلاح و بہبود ہے، چنانچہ رسول مکرم ﷺ نے ایسے سماج کی تشکیل کی جو مکمل طور پر انسان ہی کی فلاح و کامرانی کو مقصود و مطلوب قرار دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے معیشت، معاشرت، اخلاق، تعلیم الغرض تمام شعبہ ہائے زندگی میں ایسے قابل قدر اور نمایاں اقدامات کیے جو اثرات کے اعتبار سے مثبت و دیرپا اور انجام کے اعتبار سے فلاح سے متصف تھے۔ اس مقالہ میں بنیادی طور پر انہی شعبہ ہائے زندگی میں سیرت رسول ﷺ کا جائزہ لیتے ہوئے معاشرتی تربیت کے نبوی ﷺ اصولوں کو واضح کرنے کی سعی کی گئی ہے تاکہ انسانی سماج کو مضبوط فلاحی بنیادوں پر استوار کیا جاسکے۔

تحقیق کے مقاصد

1۔ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات میں معاشرتی تربیت کے راہنما اصولوں کا استنباط۔

2۔ رحمت عالمیاں ﷺ کی جانب سے سماج کی فلاح و کامیابی کے لئے اقدامات تک رسائی۔

3۔ نیز رسالت مآب ﷺ کی تعلیمات کے عملی اطلاقات کو موجودہ معاشرتی تناظر میں دیکھتے ہوئے سفارشات و تجاویز مرتب کرنا۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے کے مختلف و متنوع گوشے ایک مسلمان کی زندگی کے تمام مراحل میں ہدایت و راہنمائی کا نور بانٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ذیل میں معاشرتی تربیت کے چند راہنما اصول اور ان کی وضاحت سیرت مطہرہ کی روشنی میں پیش کی جارہی ہے۔

1۔ تحسین نوازی

سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ اچھائی، نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ تحسین شناسی کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے تربیتی اسلوب

میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ عمل ہے کہ جس سے افراد کار کو تحریک اور مزید مثبت اعمال کی ترغیب و تشویق ملتی ہے۔

غزوہ احد میں نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مہارت پر نہایت عمدہ انداز سے تحسین اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ عبد اللہ بن شداد سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سنا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بعد میں نے کسی کے متعلق نبی کریم ﷺ سے نہیں سنا کہ آپ ﷺ نے اپنے والدین کریمین کو ان پر صدقے کیا ہو۔ میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرمارہے تھے۔ "سعد تیر برساؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں"۔[1]

اس روایت سے تیر اندازی کی فضیلت ثابت ہوئی اس طور پر کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تیر اندازی پر ان کو شاباش سے نوازا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ کسی کام کی عمدگی پر تحسین کرنا نبوی تربیت کا حصہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تحسین فرمائی کہ ان کا اسلام اتنا عمدہ ہے کہ جس کے بعد کوئی عیب وقعت نہیں رکھتا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ پیلو (مسواک کے درخت) پر مسواک توڑنے چڑھے اور وہ پتلی پنڈلیوں والے تھے تو ہوا انہیں ادھر ادھر جھکانے لگی، اس پر قوم (صحابہ) ہنسنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم لوگ کس لئے ہنس رہے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے نبی ﷺ! ان کی پنڈلیوں کی باریکی کی وجہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ دونوں پنڈلیاں میزان میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہیں۔[2]

کسی کی عمدہ رائے یا حسن عمل پر خوشی کا اظہار بھی تحسین نوازی ہی کی ایک قسم ہے۔

---

[1]۔البخاری، محمد بن اسماعیل،صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب اذ ھمت طّافتان ،رقم الحدیث: 2905

[2]۔احمد بن حنبل، مسند احمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند عبد الله بن مسعود،رقم الحدیث: 3991

ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے آکر سوال کیا ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تو ہمارے پاس کچھ باقی نہیں بچا یعنی جو کچھ تھا وہ راہ خدا میں تقسیم کر چکے البتہ تم فلاں شخص کے پاس جا کر ہمارے نام پر قرض لے لو ہم اسے ادا کر دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ ! آپ اتنی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں ؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا پابند تو نہیں کیا۔ بات تو یہ بھی محبت رسول ﷺ پر مبنی تھی مگر آپ ﷺ کو یہ بات اپنی شان جود وسخا کی وجہ سے پسند نہ آئی۔ وہاں ایک انصاری صحابی موجود تھے انہوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ﷺ ! آپ خرچ کرتے رہیں اور عرش کے مالک سے کسی کمی کا خوف نہ کھایئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر ایسی حوصلہ افزائی اور تحسین فرمائی کہ روایت کے الفاظ ہیں: تبسم رسول الله ﷺ و عرف البشر في وجهه وقال و بهذا امرت "رسول اللہ ﷺ اس بات کو سن کر مسکرائے کہ اس خوشی کے آثار آپ ﷺ کے چہرہ مبارک سے عیاں ہوئے پھر آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے"۔[3]

2۔ متبادل کی فراہمی

سیرت رسول ﷺ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اکثر معاملات میں کسی سابقہ روایت کو یکسر مسترد فرمانے کی بجائے اس کا متبادل عطا فرمایا۔ عرب معاشرے میں تشریف لانے والے رسول ﷺ نے اس سماج اور معاشرے میں تمام احوال واعمال کو تبدیل کر کے بالکل نئی عمارت کھڑی نہیں فرمائی بلکہ جو چیزیں ٹھیک تھیں ان کو باقی رکھا اور جن میں اصلاح کی ضرورت تھی ان کی خرابی دور کر کے اصلاح کر دی اور جن میں فساد پوری طرح سرایت کر چکا تھا ان کو یکسر ختم کر کے نئی چیزیں داخل فرمائیں۔ مثلاً اکثر اہل عرب اللہ تعالیٰ کے منکر نہیں تھے، اللہ کو ایک مانتے تھے، ملت ابراہیمی کے قائل تھے، منٰی میں قیام کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں توحید پر جمع ہونے کا حکم ارشاد فرمایا۔ منٰی میں قیام باقی رہا تاہم شرک کی پرزور مذمت کر کے اسے ختم فرما دیا۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

---

[3]۔ ابن شہاب زہری، مسند شہاب، رقم الحدیث:749

خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام [4]

"جاہلیت میں بہتر لوگ قبولِ اسلام کے بعد بھی بہترین قرار پائیں گے"۔

متبادل کی فراہمی کے حوالے سے چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہاں کے لوگوں نے کھیل کود اور اظہارِ فرحت کیلئے دو دن خاص کر رکھے ہیں تو متبادل فراہم کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحَى، وَيَوْمَ الْفِطْرِ [5]

"اللہ تعالی نے تمہیں ان سے بہتر دو دن یعنی عید الفطر اور عید الاضحی عطا فرمائے"۔

یوں ہی آپ ﷺ نے دیکھا کہ یہود یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ اس دن کا روزہ اس لئے رکھتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالی نے حضرت موسٰی علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو فرعون سے نجات عطا فرمائی تھی ،اسی لئے وہ اس دن اظہار فرحت کیلئے روزہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اہل اسلام کو بھی روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ یوم عاشوراء کے اس روزہ کے بارے میں لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اسی دن کی یہود و نصاری تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فاذا كان العام المقبل ان شاء الله صمنا اليوم التاسع [6]

"جب آئندہ سال ہو گا تو ان شاء اللہ ہم نویں دن (نو ذی الحجہ) کا روزہ بھی رکھیں گے"۔

سیرت کا یہ دلنشین پہلو ہمارے علماء اور صوفیاء نے اپنایا اور لوگوں کو راہ راست پر لائے۔ سماجی ارتقاء و بقاء کے لیے ضروری ہے کہ اس انداز کو اپنایا جائے۔ خصوصا آج کے اس جدید دور میں جب نئے نئے مسائل سر اٹھا رہے ہیں تو ضروری ہے کہ کسی چیز کو یکسر مسترد کرنے کی بجائے اس کا متبادل پیش کرنے کی کوشش کی جائے۔

---

[4] ۔القشیری، مسلم بن حجاج ، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة ، باب خیار الناس ،رقم الحدیث 6454

[5] ۔ابوداؤد،سلیمان بن اشعث، سنن ابوادؤد،باب صلاة العیدین، رقم الحدیث1134

[6] ۔صحیح مسلم، کتاب الصیام ،باب أی یوم یصام فی عاشوراء،حدیث2666

3۔احساس ذمہ داری

نبوی ﷺ معاشرہ جن بنیادوں پر استوار ہے ان میں ایک اہم قدر احساس ذمہ داری ہے۔ یہ ایک ایسا عمدہ وصف ہے جس کے بغیر نظام زندگی کا درست نظم سے چلنانا ممکن ہے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اپنے اقوال بلکہ اپنے اعمال سے بھی اس بات کی تاکید فرمائی کہ ہر فرد کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیئے اور بطریق احسن اسے سرانجام دینے کی ممکنہ سعی کرنی چاہیے ۔

احساس ذمہ داری میں امانت و دیانت ، وعدے کی پاسداری ، مواخات اور باہمی معاونت سب شامل ہیں۔ حضور ﷺ کی زندگی میں امانت داری کی کئی نظائر موجود ہیں۔ نبوت سے پہلے ہی آپ ﷺ کو "امین" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔[7] جب آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی تو اپنے چچازاد بھائی حضرت علیؓ کو مکہ میں رہنے کی ہدایت دی تاکہ وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ اپنے وعدوں اور عہد کی پاسداری کی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ نے قریش کے ساتھ معاہدہ کیا اور ان کی شرائط پر سختی سے عمل کیا، حالانکہ بظاہر وہ مسلمانوں کے حق میں نہ تھیں۔[8] حضور ﷺ نے ہمیشہ عدل وانصاف کو فروغ دیا اور اس بات کا خاص خیال رکھا کہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ نے عام معافی کا اعلان کیا اور تمام لوگوں کو معاف کر دیا، حالانکہ ان میں بہت سے لوگ وہ تھے جنہوں نے آپ ﷺ اور مسلمانوں پر شدید مظالم ڈھائے تھے۔[9] حضور ﷺ نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ اس طرح بہترین سلوک کیا اور ان کی ضروریات کا خیال رکھا جو آج تک فقید المثال ہے۔ آپ ﷺ اپنے گھر کے کاموں میں اپنی ازواج مطہرات کی مدد کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ اپنے کپڑے بھی دھولیتے، جوتے خود مرمت کرتے اور گھر کے دیگر کاموں میں حصہ لیتے تھے۔[10] آپ ﷺ نے سماجی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر زور دیا جن کی اہمیت ہر دور میں مسلّم ہے

---

[7]۔ندوی، سید ابوالحسن علی، سیرت رسول اکرم ﷺ ، مجلس نشریات اسلامی کراچی، ص 256

[8]۔سیرت رسول اکرم ﷺ ، ص 266

[9]۔ایضا، ص 259

[10]۔ایضا، ص 274

۔مدینہ منورہ میں حضور ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کا نظام قائم کیا، جس کی وجہ سے دونوں گروہوں کے درمیان محبت، تعاون اور مدد کا جذبہ پیدا ہوا۔[11] آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنی امت کی بھلائی اور فلاح کے لیے دعا کی اور ان کے حقوق کی حفاظت فرمائی۔ غزوہ احد میں جب کچھ لوگوں نے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائی تو آپ نے ان کے لیے دعاءضرر کرنے کی بجائے یہ دعا فرمائی: "اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، کیونکہ یہ نہیں جانتے۔"[12]

اپنی اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کتنی اہم ہے؟ اس کا اندازہ درج ذیل فرمان نبوی ﷺ سے ہوتا ہے:

"تم میں سے ہر ایک راعی (نگہبان) ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ امام (حکمران) نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"[13]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے اپنی امت کو تعلیم دی کہ ہر فرد کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے اور انہیں احسن طریقے سے نبھانا چاہیے۔ اس سے نہ صرف فرد کی زندگی میں بہتری آتی ہے بلکہ معاشرتی سطح پر بھی امن و سلامتی اور خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے۔

ذیل میں مذکور حدیث نبی کریم ﷺ کی اس صفت عالیہ سے معاشرتی تربیت اور اخلاقی ذمہ داری کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ (البر) اچھائی اور بھلائی جبکہ (الاثم) گناہ ہے۔ جیسا کہ البرّ اور الاثم کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"البر حسن الخلق، والإثم ما حاك في صدرك وكرهت أن يطلع عليه الناس."[14]

---

[11] ۔ ایضا، ص 276

[12] ۔ ایضا، ص 286

[13] ۔سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارۃ، باب ما یلزم الامام من حق الرعیۃ2928

[14] ۔ قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، رقم الحدیث:2765

"نیکی اچھے اخلاق سے عبارت ہے، اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں خلش پیدا کرے اور تمہیں ناپسند ہو کہ لوگ اس کے بارے میں جانیں۔"

یہ حدیث نیکی اور گناہ کی حقیقت کو واضح کرتی ہے۔ جس کے سماج پر نمایاں اثرات ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور فرمان نبوی ﷺ ہے:

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو مرض سے پہلے، دولت کو فقر سے پہلے، فراغت کو مصروفیت سے پہلے، اور زندگی کو موت سے پہلے۔[15]

یہ حدیث انسان کو ان کی زندگی کے مختلف مراحل میں اپنی احساس ذمہ داری کا احساس دلاتی ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع حضور ﷺ کی زندگی میں ایک بہت اہم لمحہ تھا۔ حضور ﷺ کا یہ سوال کرنا کہ آپ ﷺ کے بارے میں اصحاب کیا گواہی دیں گے؟ اصحاب کا جواب یہ تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی تمام ذمہ داریوں کی انجام دہی کا اعتراف کرتے ہیں اور اس بات کے گواہ ہیں حضور ﷺ کا اس موقع پر انگلی اٹھانا اور اللہ کو گواہ بنانا اس کی اہمیت کو مزید واضح کرتا ہے۔

4۔ امن و سلامتی

رسول اللہ ﷺ کے عطاء کردہ معاشرتی تربیت کے راہنما اصولوں میں امن و سلامتی کو ایک بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ اس کی ایک اہم مثال "حلف الفضول" ہے، جو مکہ مکرمہ میں وقوع پذیر ہوا۔ اس معاہدے کا مقصد مظلوموں کی مدد کرنا اور ظالموں کے خلاف کھڑے ہونا تھا، چاہے مظلوم اور ظالم کا تعلق کسی بھی قبیلے یا گروہ سے ہو۔ اس معاہدے کا پس منظر یہ تھا کہ مکہ کے ایک تاجر نے اپنا مال بیچا لیکن خریدار نے اس کی قیمت ادا نہیں کی۔ جب تاجر نے اپنی حق طلبی کے لیے مختلف قبیلوں سے مدد مانگی، تو اس کی مدد کرنے کوئی تیار نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر مکہ کے کچھ بااثر افراد نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ وہ مظلوموں کی مدد کریں گے اور ظالموں کے خلاف کھڑے ہوں گے۔ اس معاہدے میں بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تیم کے افراد شامل تھے۔ نبی کریم ﷺ، جو اس وقت عنفوان شباب کی

---

[15]- ابن ماجہ، یزید بن قزوینی، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 2876

منزلیں طے کر رہے تھے اس معاہدے میں شامل ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس کی بھرپور حمایت کی اور بعد میں بھی کئی مرتبہ اظہار فرمایا کہ اگر آج بھی مجھے اس معاہدے کی طرف بلایا جائے تو میں اس کو قبول کروں گا۔[16]

حلف الفضول کا مقصد مکہ میں امن و انصاف کو یقینی بنانا تھا۔ اس معاہدے نے لوگوں کو یہ پیغام دیا کہ ظالموں کے خلاف کھڑا ہونا اور مظلوموں کی مدد کرنا ایک اجتماعی ذمہ داری ہے۔ اس معاہدے نے مختلف قبائل کو ایک مشترکہ مقصد کے تحت اکٹھا کیا، جس سے اخوت اور مساوات کو فروغ ملا۔ حضور ﷺ ظلم کے خلاف اور مظلوموں کے ساتھ کھڑے رہے۔

آپ ﷺ نے ہر موقع پر عدل و انصاف کو برقرار رکھا۔ ہر فرد کے حقوق کی پاسداری کی اور ان کی حفاظت کی تعلیم دی۔ مسلمانوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارے کو فروغ دیا۔ تنصیب حجر اسود کا واقعہ آپ ﷺ کی حکمت، بصیرت اور امن پسندی کی بہترین مثال ہے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ ﷺ کی عمر مبارک تقریباً 35 سال تھی۔

چنانچہ قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا اور اس کی دیواریں دوبارہ اٹھانے کا کام شروع کیا۔ جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کا وقت آیا تو مختلف قبائل کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا کہ حجر اسود کو نصب کرنے کا شرف کس قبیلے کو ملے گا۔ یہ اختلاف اتنا شدید ہو گیا کہ قبائل آپس میں قتال کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت قریش نے فیصلہ کیا کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو گا، وہی اس مسئلے کا حل نکالے گا۔ اللہ کے فضل سے، سب سے پہلے داخل ہونے والے محمد عربی ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کی حکمت و بصیرت پر سب نے برملا اعتماد کا اعلان فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی اور حجر اسود کو اس میں رکھ دیا۔ پھر ہر قبیلے کے سردار کو چادر کے ایک کنارے کو پکڑنے کا کہا اور اس طرح سب نے مل کر حجر اسود کو اس کی جگہ تک پہنچایا۔ آخر میں آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کیا۔[17]

---

[16]۔ مبارکپوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص36

[17]۔ ایضا، ص53

آپ ﷺ کی حکمت عملی نے نہ صرف ممکنہ خونریزی کو روکا بلکہ قبائل کے درمیان امن وسلامتی کو برقرار رکھا۔ اس واقعے سے یہ پیغام ملا کہ حکمت اور عدل سے اختلافات کو حل کیا جاسکتا ہے اور سب کو ان کا جائز حق دیا جاسکتا ہے؟ حضور ﷺ کی اس معاملے میں انصاف پسندی اور حکمت نے آپ ﷺ کی عزت واحترام کو مزید بڑھادیا۔ یہ اہم واقعہ آپ ﷺ کی حکمت، بصیرت اور امن پسندی کی ایک عظیم مثال ہے۔ یہ واقعہ آج بھی مسلمانوں کے لیے ایک سبق ہے کہ کیسے حکمت، صبر اور انصاف کے ذریعے اختلافات کو حل کیا جاسکتا ہے۔

صلح حدیبیہ اور فتح مکہ بھی امن وسلامتی کے تناظر میں نبی کریم ﷺ کی حکمت عملی اور بصیرت کی بہترین مثالیں ہیں۔ ان واقعات نے اسلام کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا اور مسلمانوں کو امن وامان کے قیام اور فتح کی راہیں ہموار کرنے میں مدد دی۔ سن 6 ہجری میں نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ مکہ میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر کے لیے آپ ﷺ نے چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کرنے کا ارادہ کیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کا فیصلہ کیا اور حدیبیہ کے مقام پر مذاکرات کے کئی دور ہوئے۔

بالآخر مسلمانوں اور قریش کے درمیان دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔ جس کی چند ایک اہم شقیں درج ذیل ہیں: مسلمان اس سال مکہ میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ اگلے سال عمرہ کے لیے آئیں گے۔ مکہ سے مدینہ جانے والے مسلمانوں کو واپس کیا جائے گا، جبکہ مدینہ سے مکہ جانے والوں کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ جو قبائل چاہیں قریش کے ساتھ اور جو چاہیں مسلمانوں کے حلیف بن سکتے ہیں۔[18]

اس معاہدے نے دس سال کے لیے جنگ بندی کی بنیاد رکھی، جس سے مسلمانوں کو تبلیغ اور تنظیم کا موقع ملا۔ امن کے اس دور میں اسلام نے بڑے پیمانے پر قبولیت پائی۔ اس معاہدے کی بدولت مسلمانوں کو اپنی طاقت کو مضبوط کرنے اور اپنی صفوں کو منظم کرنے کا موقع ملا، جس کے نتیجے میں دو سال بعد فتح مکہ کی راہ ہموار ہوئی۔ سن 8 ہجری میں

[18]۔ مبارکپوری صفی الرحمن، الرحیق المختوم، ص276

قریش نے صلح حدیبیہ کی شرائط کی خلاف ورزی کی، جس پر نبی کریم ﷺ نے مکہ کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ نے دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ کی طرف پیش قدمی کی اور بغیر کسی بڑی لڑائی کے مکہ کو فتح کر لیا۔

نبی کریم ﷺ نے مکہ میں داخل ہونے کے بعد عام معافی کا اعلان کیا، جس سے مکہ کے لوگوں کو امن و سلامتی کا پیغام ملا۔ آپ ﷺ نے مجموعی طور پر کسی سے بدلہ نہیں لیا، بلکہ سب کو معاف کر دیا اور مکہ میں امن و امان کی بحالی کی ایک مرتبہ پھر کامیاب عملی کوشش کی۔ نبی کریم ﷺ نے کعبہ کو بتوں سے پاک کیا اور وہاں موجود بتوں کو ہٹا دیا، لیکن مکہ کے لوگوں کی عزت و وقار کو برقرار رکھا۔[19] فتح مکہ کے بعد اسلام بڑی تیزی سے پھیلا اور بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ مکہ میں امن و امان قائم ہو گیا اور لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی انصاف پسندی اور حکمت عملی کی بدولت استحکام ملا۔ فتح مکہ کے بعد اسلامی ریاست مضبوط ہو گئی اور مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد و یگانگت پیدا ہوئی۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ دونوں واقعات نبی کریم ﷺ کی حکمت، بصیرت اور امن پسندی کے عملی مظاہر ہیں۔ ان واقعات نے ثابت کیا کہ امن و امان کے قیام کے لیے صبر، حکمت اور انصاف کتنے اہم ہیں؟ یہ واقعات آج بھی مسلمانوں کے لیے راہنما اصول کی حیثیت رکھتے ہیں کہ کس قدر مشکل حالات میں بھی امن و سلامتی کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

5۔ خدمت خلق

معاشرتی تربیت میں خدمت خلق کا اہم کردار ہے، نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک میں اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ اپنی معاشرتی زندگی میں دوسروں کی مدد اور خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ میں خدمت خلق کی بہت ساری عملی مثالیں موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ کے انصار اور مہاجرین کے مابین بھائی چارے کو قائم فرمایا، معاشرتی مسائل کے حل کے لیے عملی مساعی کیں، محتاجوں کی مدد اور دستگیری میں مصروف کار رہے۔ خدمت خلق کا عنصر آپ ﷺ کی رحمت، شفقت، اور محبت کا بھرپور اظہار تھا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

---

[19] ۔ ایضا، ص315

عن سهل بن سعد ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ ،سيد القوم في السفر خادمهم ۔[20]

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا:"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سفر میں قوم کا سردار ان کا خادم ہے"۔

ایسے سردار یا راہنما جو اپنی قوم کی خدمت میں مصروف ہوتے ہیں، ان کی خدمت کرنے والوں کو بھی ان کے مقام اور اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ اس طرح خدمت کرنے سے سماج کی تربیت اور فلاح حاصل ہوتی ہے کیونکہ قوم کے اکابر ہی قوم کے اصاغر کے لیے نمونہ ہوتے ہیں۔

خدمت خلق اور احساس و ہمدردی کے مستحقین میں بیوائیں اور مساکین بھی شامل ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلسَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ وَالمِسْكِينِ، كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوِ القَائِمِ اللَّيْلِ والصَّائِمِ النَّهَار [21]

"بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشاں رہنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے، یا رات بھر عبادت اور دن کو روزہ رکھنے والے کے برابر ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے کسی بھی کام کی بقاء اور دوام کو خلق خدا کی نفع بخشی کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ [22]

"اور وہ جو لوگوں کے لیے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے"۔

اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے نفع کا باعث بنے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے نام کو قیامت تک باقی رکھے گا۔ ہمارے سامنے آج بھی بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے ماضی میں انسانیت کی خدمت کی اور ان کا ذکر اور ان کا نام آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ ان کے نام کا اکاؤنٹ آج بھی موجود ہے اور فلاح عامہ کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔

---

[20]۔ مشکوۃ المصابیح، کتاب الجہاد، باب سفر میں خدمت کرنے کی فضیلت، رقم الحدیث:3925

[21]۔صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقة على اهل، رقم5353

[22]۔الرعد 17:13

قرآن حکیم میں خیر یعنی بھلائی کے کاموں کو کامیابی اور فلاح کا ضامن قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُون[23]

"اور نیکی کرو تاکہ تمہیں فلاح (دنیا اور آخرت کی کامیابی) نصیب ہو"۔

ان لوگوں کو بہتر اور خیر قرار دیا گیا جن سے دوسرے خیر اور بھلائی کی امید رکھیں اور ان کے شر سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ ان کے پاس آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: "کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں سے اچھے کون ہیں اور برے کون ہیں؟ لوگ خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے ان سے تین مرتبہ یہی استفسار فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا، کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! ارشاد فرمایئے! آپ ﷺ نے فرمایا:

خيركم من يرجى خيره، ويؤمن شره، وشركم من يرجى خيره ولا يؤمن شره[24]

"تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید رکھیں اور شر سے مامون و محفوظ رہیں، اور تم میں برے لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید تو رکھیں مگر شر سے محفوظ نہ ہوں۔"

نبی کریم ﷺ نے لوگوں میں سب سے بہترین اسے قرار دیا ہے جس کی ذات سے لوگوں کو نفع حاصل ہو۔ ارشاد فرمایا:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاس[25]

"لوگوں میں بہترین وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔"

حضو ﷺ کی خدمت خلق کے حوالے سے عالی صفات کا تذکرہ ایک معروف روایت میں موجود ہے۔ پہلی مرتبہ نزولِ وحی کے بعد جب آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ کے ساتھ آپ ﷺ کو تسلی دی:

---

[23]۔ الحج 22: 77

[24]۔ الترمذی، محمد بن عیسی، جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب اچھے اور برے کی پہچان، رقم الحدیث: 2263

[25]۔ کنز العمال، کتاب المواعظ والرقاق والخطب والحکم من قسم الافعال، حدیث 44147

"و الله لا يخزيك الله أبدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم و تقرى الضيف و تعين على نوائب الحق"[26]

اللہ کی قسم! آپ تسلی رکھیں اللہ تعالی آپ کو کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا بلاشبہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرنے والے ہیں ۔ (بیواؤں اور لاوارث لوگوں کا) بوجھ اٹھانے والے ہیں، محتاجوں کو کما کر دینے والے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرنے والے ہیں اور حق تعالیٰ کے راستے میں لوگوں پر آنے والی مشکلات میں ان کی مدد کرنے والے ہیں۔

6۔ تحمل اور بردباری

حِلم اور رِفق دونوں قول کی صفات ہیں۔ حلم، درگذر کرنے، معاف کرنے، نظر انداز کرنے اور بخش دینے کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ انسانی خُلق ہے جس میں کسی کی کوتاہی اور غفلت پر اس سے درگذر کیا جائے اور کسی بے عملی اور سستی پر اس سے صرفِ نظر کیا جائے۔

باری تعالیٰ نے اپنی ذات کو اپنے بندے کے سامنے اپنی شانِ حلم کے ساتھ متعارف کرایا ہے۔ جب باری تعالیٰ خود کو "حلیم" کہتا ہے تو اس کی شانِ حلم کا معنی یہ ہے کہ وہ رب جو اپنے بندوں کے گناہوں پر گرفت کرنے کی بجائے درگذر کرے، ان کی خطاؤں سے صرفِ نظر کرے، غفلتوں کو معاف کر دے تو بندوں پر تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے کہ وہ آپس کے تعلقات میں اللہ تعالیٰ کی اسی صفت سے اپنی سیرت و کردار کو متصف کریں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ[27]

"اچھی بات کہنا اور معاف کر دینا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے نیاز، حلم والا ہے"۔

---

[26]۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث:3

[27]۔ البقرہ2:263

[28]۔ کنز العمال، کتاب المواعظ والرقاق والخطب والحکم من قسم الافعال، حدیث44147

تحمل اور بردباری نبوی ﷺ اسلوب تربیت میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ جن کی عملی نبوی ﷺ مثالیں ہمیں زندگی کی مشکلات اور امتحانات کے دوران بردباری اور تحمل کو اپنانے کی دعوت دیتی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی بردباری اور تحمل کے ذریعے دشمنوں کو دین کی راہ میں لانے کی کامیاب کوشش کی۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو بھی مختلف مسائل کے حل کے لئے بار بار صبر اور بردباری کی ہی تلقین فرمائی۔[28]

باری تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے تحمل اور رِفق کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۖ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ [29]

"پھر اللہ کی رحمت کے سبب سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے بھاگ جاتے، پس انہیں معاف کر دیجیے اور ان کے واسطے بخشش طلب کیجیے اور کام میں ان کو مشورہ میں شامل رکھیے، پھر جب آپ (اس کام کا) پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیجیے، بے شک اللہ توکل کرنے والے لوگوں کو پسند کرتا ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کے تحمل کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسالت مآب ﷺ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ ﷺ نے کوئی خادم نہیں رکھا ہوا تھا (میرے سوتیلے والد) حضرت طلحہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے کر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ، انس سمجھدار لڑکا ہے اس لئے یہ آپ کی خدمت گزاری کا شرف حاصل کرے گا۔ حضرت انس فرماتے ہیں: میں نے (دس سال تک) سفر و حَضر میں حضور ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی، لیکن جو کام میں نے کیا اس کے بارے میں آپ ﷺ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام اس طرح کیوں کیا؟ اور جو کام میں نے نہ کیا اس کے بارے میں آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام اس طرح کیوں نہیں کیا؟[30]

---

[29]۔ آل عمران 159:3

[30]۔ بخاری، کتاب الوصایا، باب استخدام الیتیم فی السفر والحضر، حدیث :2768

مندرجہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تحمل آپ ﷺ کے شخصی خصائص میں سے ہے اور اس کے حوالے سے آپ ﷺ اپنے اصحاب کی بھی وقتاً فوقتاً تربیت فرماتے رہتے تھے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مار رہا ہو اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے تو اس سے اپنے ہاتھ اٹھالو۔ [31]

7۔ نفع بخشی

مخلوق، اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے جس سے حسن سلوک دنیوی و اخروی فلاح کی ضمانت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں نفع بخشی کے ایسے مظاہر موجود ہیں تاریخ انسانی جن کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ معاشرے کے یتیموں، بے کسوں، بیواؤں اور مجبور و مقہور افراد کی دادرسی آپ ﷺ کا شیوہ تھا بلکہ پیغمبرانہ طریق کا دوسرا بنیادی ہدف ہی نفع بخشی ہے۔

کام کی ترجیحات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ جو کام کرنا چاہتے ہیں وہ دوسرے کاموں کے مقابلے میں زیادہ نفع بخش ہو۔ پھر وہ جس قدر دوسروں کے لیے مفید اور کارآمد ہو گا، اس قدر اللہ کے ہاں اس کا مقام و مرتبہ بھی بڑا ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد کی جنس سے جو اعمال ہیں وہ ان اعمال سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں جن کا تعلق محض عبادات سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ-لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ[32]

"تو کیا تم نے حاجیوں کی سبیل اور مسجد حرام کی خدمت اس کے برابر ٹھہرالی جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

حضور نبی کریم ﷺ نفع بخشی کو اس قدر اہمیت دیتے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیده لا یومن عبد حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه[33]

---

[31] ترمذی، کتاب البرّ والصلة، باب ما جاء فی ادب الخادم، حدیث: 1957

[32] ۔التوبہ 19:9

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کوئی بندہ اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ (بھلائی) نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے"۔

یہ نفع رسانی بغیر کسی ذاتی غرض و مصلحت کے ہے، رشتہ داروں، عام ضرورت مندوں، عام انسانوں، حتی کہ جانوروں سے حسنِ سلوک بھی پسندیدہ رویہ ہے جبکہ بد سلوکی اور ضرر رسانی ناپسندیدہ ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان شرالناس عندالله منزلته يوم القيامة من تركه الناس اتقاء شره[34]

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن رتبے کے لحاظ سے بدترین انسان وہ ہو گا جس کے شر کے ڈر سے لوگ اسے چھوڑیں"۔

دوسرے موقع پر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

المسلم اخوالمسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان فی حاجة اخيه كان الله فی حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج عنه كربة من كربات يوم القيامة[35]

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس سے کنارا کرتا ہے۔ جو آدمی اپنے بھائی کا کوئی مسئلہ حل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بھی حاجت پوری کرتا رہتا ہے اور جس نے اپنے بھائی کے دکھ میں حصہ لیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مشکل میں سے ایک مشکل کو دور کر دے گا اور جس نے دنیا میں اپنے بھائی کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا"۔

درج بالا آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ دین اسلام میں نفع بخشی کس قدر اہم ہے۔ جو انسان کسی کی ذات کے لئے نفع کا باعث بنتا ہے وہ بذات خود اس کے فائدے سے فیض یاب ہوتا ہے۔

8۔ وسعتِ نظری

---

[33] ۔بخاری، کتاب الایمان، باب مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لنفسه، حدیث13

[34] ۔ بخاری، کتاب الادب، بَابُ الْمُدَارَاةِ مَعَ النَّاسِ، حدیث6131

[35] ۔صحیح مسلم، كِتَاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ والآداب، باب تحريم الظلم۔ حدیث6578

آفاقیت اور عالمگیریت دین اسلام کی اہم خصوصیت ہے جس کی وجہ سے وسعت نظری اور خندہ روئی کے مظاہر اس کے ماننے والوں میں ہر سطح پر نظر آتے ہیں۔ دین اسلام بلا تفریق مذہب و نسل سب لوگوں کے لیے باہمی احترام کے درواکرتا ہے۔ اس میں جبر واکراہ کے ذریعے دین کی دعوت دینا ممنوع و حرام ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ یہ خصوصیت بندہ مؤمن کی سیرت کا لازمی جزو ہیں جبکہ تنگ نظری اور تعصب کا دین اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو کسی خاص مذہب، نسل یا علاقے کا رب ہونے کی بجائے اپنے لیے "رب العالمین" کا وصف پسند فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعالَمِينَ[36]

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے"۔

اس آیت مبارکہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں موجود تمام مخلوقات کو اپنی پناہ میں لے کر اس بات کا اعلان فرمادیا کہ عالمین کی تخلیق، ارتقاء، رزق اور حفاظت میرے ذمہ کرم پر ہے۔ کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں اسے اس کی طرف سے بغیر کسی انقطاع کے رزق پہنچایا جارہا ہے بلکہ جو اسے نہیں مانتے انہیں بھی عطاء فرمارہا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی تعلیمات کو سارے جہانوں کے لیے نصیحت قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ[37]

"یہ تو تمام جہان والوں کے لئے سراسر نصیحت ہے"۔

یہ آیت مبارکہ واضح کرتی ہے کہ قرآنی تعلیمات عالمگیریت وآفاقیت کی حامل ہیں۔ پوری انسانیت ان تعلیمات پر عمل کرکے حقیقی معنوں میں دنیا اور آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

جس طرح اللہ رب العزت نے مخلوق سے اپنی پہچان "رب العالمین" کی صفت کے ساتھ کروائی ہے اسی طرح اپنے محبوب کریم ﷺ کو بھی عالمین کے لیے رحمت قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[36]۔ الفاتحہ 1:1

[37]۔ ص 87:38

وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ [38]

"اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں رحمت کی جامعیت اور وسعت کا پہلو بالصراحت بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی رحمۃ اللعالمینی تمام جہانوں میں موجود تمام مخلوقات کے لیے ہے۔ ان مخلوقات میں مشرک و کافر بھی شامل ہیں، اہل ایمان بھی، حیوانات و نباتات بھی شامل ہیں اور جمادات بھی ، جن و ملک بھی شامل ہیں اور روح الامین بھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں کفار و مشرکین بھی آتے تو آپ ﷺ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے، ان کی بات توجہ سے سنتے اور ان کی رائے کا احترام فرماتے۔

اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر اپنے بندوں کو "یا ایھالناس" کے لفظ سے خطاب فرمایا ہے جس میں ماننے والے اور نہ ماننے والے دونوں شامل ہیں کیونکہ سارے انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَآ اَیُّہَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّاُنۡثٰی وَجَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡ [39]

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو"۔

درج بالا آیت مبارکہ اس بات کی تائید کرتی ہے کہ سارے انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ جنہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا گیا ہے اور انہیں قبائل میں محض اس لیے تقسیم کیا تاکہ ان کی پہچان ممکن ہو سکے۔ یہاں اپنائیت کا ایک منفرد پہلو سامنے آتا ہے کہ پروردگار عالم اپنی ساری مخلوق سے بلا تفریق خطاب فرما رہا ہے۔ ہاں اگر کوئی اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دے تو انہیں "یایھا الذین اٰمنوا" کے دلنواز خطاب سے بہرہ مند فرماتا ہے۔

9۔ باہمی احترام

---

[38] ۔ الانبیاء 107:21

[39] ۔ الحجرات 13:49

سماجی و معاشرتی تربیت کے اصولوں میں سے ایک باہمی احترام بھی ہے۔انسانیت کی توقیر اور احترام واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًاوَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا[40]

"جس نے کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے لیے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی ایک جان کو (قتل سے بچا کر) زندہ رکھا اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ کیا"۔

حضور ﷺ نے اپنی امت کو مختلف مذاہب اور فرقوں کے لوگوں کے ساتھ احترام و محبت کی تربیت دی۔ آپ نے امت کو مذہبی تمیز و تفریق کے بجائے اخوت و محبت کی تعلیم دی۔ نبی کریم ﷺ نے نہ صرف جنگی قیدیوں کے آرام کا خیال کیا بلکہ اُنہیں قتل کرنے کے بجائے فدیہ کے عوض آزاد کر دینا پسند فرمایا۔ چنانچہ جب بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بدری قیدیوں کے قتل کا مشورہ دیا تو آپ ﷺ نے اُن اس سے اعراض فرمایا لیکن جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فدیہ کے عوض قیدیوں کی رہائی کا مشورہ دیا تو آپ ﷺ نے اسے نہ صرف یہ کہ قبول فرمایا، بلکہ آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے سارے آثارِ غم بھی کافور ہو گئے اور اِس طرح آپ ﷺ نے تمام اسیرانِ بدر کو فدیہ کے عوض آزاد فرما دیا۔[41]

اسی طرح ایک غیر مسلم کا جنازہ سامنے سے گزرا تو اُسے دیکھتے ہی نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے چنانچہ روایت ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ مَرَّ بِنَا جَنَازَةٌ فَقَامَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْنَا بِهِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهَا جِنَازَةُ يَهُودِيٍّ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمْ الْجِنَازَةَ فَقُومُوا

---

[40]۔المائدہ32:5

[41]۔مسند احمد، حدیث:13555

" حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا: ہمارے سامنے سے ایک جنازہ گزرا تو نبی کریم ﷺ اس کے لیے کھڑے ہو گئے ہم بھی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو۔" [42]

آنحضرت ﷺ کا یہودی کے جنازے کے لئے بھی کھڑے ہو جانا ظاہر کر رہا ہے کہ آپ کے قلب مبارک میں محض انسانیت کے رشتہ کی بنا پر ہر انسان سے کس قدر محبت اور احترام تھا۔ احترام انسانیت ہی کے پیش نظر، یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب کوئی انتقال کر جائے تو پورے اعزاز کے ساتھ میت کو غسل دیا جائے، صاف ستھرا کفن پہنایا جائے، اس پر خوشبو لگائی جائے، اُس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور پھر سلیقے سے اُسے دفن کیا جائے۔ یہاں تک کہ اُس کے حق میں اجتماعی طور پر خیر وعافیت اور اُس کی مغفرت و بخشش کے لئے دعائیں بھی کی جائیں۔

اسلام کی آمد سے پہلے جنگوں میں دشمنوں کے ساتھ انتہائی غیر انسانی رویے اختیار کئے جاتے تھے مگر اسلام نے انسانی حرمت کے پیش نظر لاشوں کی بے حرمتی کو ناجائز قرار دیا۔ اِس کے علاوہ سختی کے ساتھ یہ حکم بھی دیا جاتا تھا کہ خبر دار! جنگ کے دوران بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو ہر گز قتل نہ کیا جائے۔ اگر وہ مقابلے پر آئیں بھی تو ان سے صرف نظر کیا جائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب فوج کسی جنگی مہم پر بھیجی جاتی تو یہ تاکید کی جاتی تھی: اے لوگو! خیانت نہ کرنا، دھوکہ نہ دینا، مقتول کا چہرہ نہ بگاڑنا، بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا، باغات کو برباد نہ کرنا، نہ اُنھیں جلانا، پھل دار درخت کو نہ کاٹنا، کسی بکری، یا اونٹ کو صرف اور صرف کھانے کے لیے ہی ذبح کرنا، بلاوجہ اُسے قتل نہ کرنا وغیرہ۔

سہیل بن عمرو جو انتہائی فصیح اللسان تھا اور مجمع عام میں حضور ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا، جب وہ بدر میں قید ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ﷺ اس کے نیچے کے دو دانت اُکھڑوا دیجئے تاکہ پھر آپ کے خلاف نہ بول سکے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے انکار کیا اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ [43]

---

[42] ۔صحیح بخاری، کتاب الجنائز، بابُ مَنْ قَامَ لِجَنَازَةِ یہودی، حدیث1311

مذکورہ بالا آیات واحادیث اور تاریخی واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ احترام انسانیت ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور یہ محض رنگ و نسل اور مذہب و برداری کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہئے بلکہ انسان خواہ کسی بھی رنگ و نسل اور کسی بھی مذہب و برادری سے ہو اُس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت بہت ہی ضروری ہے۔

10۔ بقائے باہمی

ایک تکثیری سماج جہاں مختلف نقطہ ہائے نظر کے لوگ ہوں، مذہبیات، سیاسیات اور سماجیات کے اعتبار سے وہاں تصادم سے بچنے اور پر امن ماحول کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ بقائے باہمی کے اصول کو مد نظر رکھا جائے۔ اسلام میں اعتقادی جبر و اکراہ سے سختی سے منع کر دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ[44]

"کچھ جبر نہیں دین میں بے شک خوب جدا ہو گئی ہے نیک راہ گمراہی سے تو جو شیطان کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔"

سماجی سطح پر پر امن بقائے باہمی کی خاطر دوسروں کے خداؤں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت وارد ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[45]

"اور اُنہیں برا بھلا نہ کہو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ زیادتی کرتے ہوئے جہالت کی وجہ سے اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے یونہی ہم نے ہر اُمت کی نگاہ میں اس کے عمل کو آراستہ کر دیا پھر انہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے تو وہ انہیں بتادے گا جو وہ کرتے تھے"۔

---

[43] ۔تاریخ طبری،ذکر بقیة ما کان فی السنة الثانیة،ذکر وقعة بدر الکبری، ج 2،ص465

[44] ۔البقرہ2:256

[45] ۔الانعام6:108

میثاقِ مدینہ کرۂ ارض کا ایک ایسا آئینی و قانونی ڈاکومنٹ ہے جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی امن پسندی اور بقائے باہمی پر مبنی تعلیمات کا مظہر ہے۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کو تا قیامت دنیا کے ہر مذہب اور مقدس ہستی پر یہ فضیلت و فوقیت حاصل رہے گی کہ جس طرح قرآنِ مجید کی صورت میں اسلام کے اساسی احکام کا ایک ایک حرف محفوظ و مامون ہے اُسی طرح پیغمبرِ اسلام ﷺ کی حیات طیبہ کا بھی ہر لمحہ اور ہر گوشہ محفوظ و مامون ہے جس سے قیامت تک انسانیت راہ نمائی حاصل کرتی رہے گی۔ اس تاریخی میثاق میں آپ ﷺ نے تمام مذاہب کے لوگوں کو ایک ہی معاشرے میں رہنے کے لیے ایسے فقید المثال اور قابل عمل سماجی اصول عطاء فرمائے جو انہیں صبر و تحمل، برداشت، ایک دوسرے کے مذاہب کا احترام اور مشکل حالات میں باہمی تعاون کی تلقین کرتے ہیں۔

خلاصہ بحث:

مندرجہ بالا تحقیق ہمیں انسانی معاشرت کو اصولی اور عملی نقطہ نظر سے سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ کسی بھی معاشرے کی ترقی اور کامیابی کا دارومدار اس کی اعلیٰ اخلاقی اقدار پر ہوتا ہے۔ یہی اعلیٰ اخلاقی اقدار پوری دنیا میں اس کی پہچان کا ذریعہ بنتی ہیں۔ امت مسلمہ کی سب سے بڑی پہچان نبی کریم ﷺ کی اتباع اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کی پیروی ہے اور یہی اس کی دائمی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اس موضوع کے ذریعے سے سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں معاشرتی تربیت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ معاشرتی تربیت کے رہنما اصولوں میں تحسین نوازی، متبادل کی فراہمی، احساس ذمہ داری، امن وسلامتی، احترام انسانیت، خدمت خلق، تحمل وبردباری، نفع بخشی اور وسعت نظری شامل ہیں۔ ان اصولوں کو تحقیق میں شامل کرنے کا مقصود سماج کی فلاح و بہبود کے لیے ان کا عملی اطلاق ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک دور میں کامیابی کی وجوہات کا اگر جائزہ لیا جائے تو دیگر امور کے علاوہ اہم ترین قرآن و سنت کی پیروی ہے۔ دور حاضر میں الجھے ہوئے معاشرتی و سماجی مسائل کا واحد حل آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے میں پنہاں ہے۔

سفارشات اور تجاویز

1۔ معاشرتی تربیت کے نبوی ﷺ اصولوں کو پرائمری سے یونیورسٹی سطح تک نصاب میں شامل کیا جائے اور اس حوالے سے عملی مشقیں کروائی جائیں۔

2 تحسین نوازی، متبادل کی فراہمی، احساس ذمہ داری، امن وسلامتی، احترام انسانیت اور دیگر انسانی حقوق کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔

3۔ معاشرتی تربیت کے راہنما اصولوں کو معاصر میڈیا کے ذریعے معاشرے کے ہر فرد تک پہنچایا جائے۔

4۔ ان اصولوں کی ترویج واشاعت میں والدین اور تعلیمی اداروں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

5۔ سماجی تنظیموں اور فلاحی اداروں میں ان اصولوں پر عمل لازمی قرار دیا جائے۔

6۔ عوامی تحفظ اور آگاہی پروگرامز کے ذریعے ان کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔